شذرات

(۲)

الحکم کا موضوع اور مقصد جو مقرر ہو چکا ہے۔ وہ اس سے کبھی خدا تعالیٰ کے فضل و رحم سے الگ نہیں ہوا۔ اور وہ اسی محور و مرکز پر گردش کرنا اپنی زندگی کا مقصد وحید یقین کرتا ہے۔ یہ بات بارہا دہرائی گئی اور دہرائی جاتی رہے گی۔ اس لئے کہ وہ ایک تذکیر کا رنگ رکھتا ہے۔ آئندہ الحکم کے دوسرے صفحہ پر علی العموم دو عنوانوں کے تحت چھوٹے بڑے نوٹ لکھے جایا کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ حقائق و معارف اور مشاہدات اور تاثرات کی دنیا اور یہ صفحہ عرفانی کبیر کے لئے مخصوص رہے گا۔ اگر کبھی ان کا لکھا ہوا مضمون نہ آیا۔ تو اس صفحہ کو کسی اور مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ آج کے الحکم میں احباب اسی صفحہ کو دلچسپی سے پڑھیں گے۔

(۳)

جہاں تک میرا حافظہ میری مدد کرتا ہے۔ جب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے نظارت تالیف و تصنیف قائم فرمائی تھی۔ اس وقت اس کے مقاصد اور فرائض میں یہ امر بھی داخل تھا۔ کہ وہ ان تمام اعتراضات کو جو اسلام اور سلسلہ عالیہ احمدیہ پر کئے جاتے ہیں۔ جمع کرے۔ اور ان کے جوابات شائع کرے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس وقت کچھ اعتراضات اور رسائل جمع بھی کئے گئے تھے۔ یقیناً وہ دفتر میں موجود ہوں گے۔ لیکن جہاں تک میرا علم ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے بعض اعتراضوں کا جواب تو مختلف اوقات میں مختلف صورتوں میں شائع ہوا۔ گو ابھی بہت سے ایسے اعتراضات باقی ہوں۔ لیکن آریوں یا عیسائیوں یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کی طرف سے جو اعتراضات ہوتے رہے ہیں۔ ان کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں ہو سکی۔ اسلئے کہ اندرونی تنازعوں اور جھگڑوں نے توجہ کو اپنی طرف پھیر لیا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ یہ سلسلہ پھر شروع ہو۔ خواہ نظارت مذکور کرے۔ یا سلسلہ کے اخبارات۔ الحکم اپنا حصہ انشاء اللہ ادا کرے گا۔ اگر وہ اعتراضات مہیا کئے جاویں۔ یہ اسلئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے لئے خاص طور پر اپنے دعویٰ مسیحیت کے ساتھ ہی اعلان کیا تھا۔ اور یہ اعلان آپ کے مقصد اظہار الدین کے تحت تھا۔ میں جماعت کے علمی مذاق رکھنے والے احباب سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ اس خصوص میں

الحکم سے تعاون کریں

(۳)

گذشتہ اشاعت میں میں نے احباب کو الحکم کے بقا و استحکام کی طرف توجہ دلائی تھی۔ میں اس سے بے خبر ہوں۔ کہ اس کا کیا جواب ملا۔ یا وہ جنگل میں ایک پکارنے والے کی آواز تھی۔ ضرورت تھی۔ کہ معاصرین الحکم اس خصوص میں توجہ کرتے۔ اور اس مضمون کو اپنے جرائد میں شائع کرتے۔ یا کم از کم اس کے لئے اپنے اداریہ میں جماعت کو توجہ دلاتے۔ مگر انہوں نے اس ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔ اسباب اور وجوہات سے وہ خود واقف ہوں گے۔ غالباً کاغذ کی گرانی اور احباب کی الاماشاء اللہ بے اعتنائی موجب ہو۔ بہر حال الحکم اپنے یوم اجرا سے اس قسم کی بے التفاتیوں کا عادی ہے۔ مگر میں اپنے عزیز معاصرین سے کہوں گا۔ کہ الحکم نے سب سے دست تعاون بڑھایا ہے۔ اور اس کے صفحات اپنے پریس کی مضبوطی کے لئے ہر تحریک کے لئے کھلے رہیں گے۔ اس لئے اور صرف اس لئے کہ وہ ایک بصیرت کے ساتھ یقین کرتا ہے۔ کہ

قوموں کی زندگی میں اس کے پریس کی مضبوطی ضروری ہے

بہر حال مجھے شکوہ نہیں۔ میں اپنے جنون سے مجبور ہوں۔ کہ الحکم کو زندہ رکھنے کی ہر کوشش کروں۔ مگر میں دوستوں کو جگاؤں گا۔ ان کو جھنجوڑوں گا۔ سوئے ہوئے یقیناً بیدار ہوں گے ہاں جنہوں نے بیداری میں خواب آلودگی کو اختیار کیا ہے۔ انہیں صور اسرافیل ہی جگائیگا۔

(۴)

عزیز مکرم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اگلے اخبار کی اشاعت تک خدا کے فضل و رحم سے قادیان پہنچ جائیں گے۔ میرے مشورہ سے انہوں نے آئندہ رسالہ المبشر کے ساتھ اسلامی دنیا کا ہر کو ختم کر دیا ہے۔ بہت ممکن ہے۔ عنقریب ہم ۔ ۔ ۔ ۔ نام سے شائع ہو۔ تاہم اس کا جولائی کا نمبر اسکی آئندہ صورت کا ایک خاکہ ہوگا۔ وباللہ التوفیق۔ (عرفانی کبیر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات

دعا میں توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے

دعا کے بعد جلدی جلدی جواب ملے۔ تو عموماً اچھا نہیں ہوتا۔ توقف کامیابی کا موجب ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا بظاہر تلون بھی رحمت ہے۔

رشک کا مقام دعا ہے نہ کہ دولت

دنیا کی دولت۔ سلطنت اور شوکت رشک کا مقام نہیں ہیں۔ مگر رشک کا مقام دعا ہے۔

اسلام رسمی طور پر رہ گیا ہے

یہ ملک بہت ہی قابل رحم ہے۔ اسلام صرف رسمی طور پر رہ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بڑا احسان کیا ہے۔ جو اپنا نذیر اس ملک میں بھیجا۔ اگر کوئی حاملہ عورت مر جاتی ہے۔ تو منہ ووں کی طرح اس کے قبر کے گرد کیلیں کھودتے پھرتے ہیں۔ ملاں صاحب اس کام کے لئے عمر لیتے ہیں۔ ان کا یہ حال ہے۔ کہ کوئی کچھ کرالے۔ مگر اجرت دیدے یہاں تک کہ مکرر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔

مرید اور مرشد کے تعلقات

مرید اور مرشد کے تعلقات ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ماں باپ اولاد کو اتنا عزیز نہیں سمجھتے جتنا مرشد مرید کو جانتا ہے۔ ماں باپ جسمانی تربیت اور تعلیم کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ مگر مرشد مرید کی روحانی پیدائش کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسکی اندرونی تعلیم اور تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بشرطیکہ راستباز ہو۔ اگر ریاکار اور دھوکہ باز ہے تو وہ دشمن سے بھی بدتر ہوتا ہے۔

خدا بیند و بپوشد و ہمسایہ بیند و خروشد

خدا تعالیٰ کی ستاری ایسی ہے۔ کہ وہ انسان کے گناہوں اور خطاؤں کو دیکھتا ہے۔ لیکن انسان اپنے بھائی کی غلط کاریوں کو دیکھتا بھی نہیں اور شور مچاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ انسان کم حوصلہ ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات حلیم و کریم ہے۔ ظالم انسان اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی کبھی خدا تعالیٰ کے علم پر پوری اطلاع نہ رکھنے کے باعث بیباک ہو جاتا ہے۔ اس وقت ذو انتقام کی صفت کام کرتی ہے۔ اور پھر اسے پکڑ لیتی ہے۔ ہندو لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ پرمیشر اور انت میں دیر ہے۔ یعنی خدا حد سے زیادہ بڑھی ہوئی بات کو عزیز نہیں رکھتا۔ باایں ہمہ وہ بھی ایسا رحیم و کریم ہے۔ کہ ایسی حالت میں بھی اگر انسان نہایت خشوع خضوع کے ساتھ آستانہ الٰہی پر جا گرے۔ تو وہ رحم کے ساتھ اس پر نظر کرتا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ جیسے اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں پر مطلع ہو کر بھی ان پر فوراً نظر نہیں کرتا۔ اور اپنی ستاری کے طفیل رسوا نہیں کرتا۔ تو ہم کو بھی چاہیئے۔ کہ ہر ایسی بات پر کہ جو کسی دوسرے کی رسوائی یا ذلت پر مبنی ہو۔ فی الفور منہ نہ کھولیں۔ (از اخبار الحکم ۱۶ جون ۱۸۹۹ء)

حقائق و معارف

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم اور اسی کی توفیق سے اس کالم میں اس قسم کے مضامین درج ہوا کریں گے۔ جو ایک طرف پڑھنے والوں کی علمی اور ذہنی قوتوں میں غور اور فکر کی تحریک پیدا کریں۔ اور دوسری طرف ان کی عملی قوتوں کو نشوونما دیں۔ آج تبرکاً و تیمناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے اس کالم کا افتتاح کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق (عرفانی)

(۱)

عزیزو! اس دنیا کی مجرد منطق ایک شیطان ہے۔ اور اس دنیا کا خالی فلسفہ ایک ابلیس ہے جو ایمانی نور کو نہایت درجہ گھٹا دیتا ہے۔ اور بے باکیاں پیدا کرتا ہے۔ اور قریب قریب دہریت کے پہنچا دیتا ہے۔ سو تم اس سے اپنے تئیں بچاؤ۔ اور ایسا دل پیدا کرو۔ جو غریب اور مسکین ہے۔ اور بغیر چون و چرا کے حکموں کو ماننے والے ہو جاؤ۔ جیسے کہ بچہ اپنے والدین کی باتوں کو مانتا ہے۔ قرآن شریف کی تعلیمیں تقویٰ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیتی ہیں۔ ان کی طرف کان دھرو۔ اور ان کے موافق اپنے تئیں بناؤ۔

(۲)

دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے۔ جو ابتدا سے اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لئے توجہ فرماتا ہے۔ تو سنت اللہ یہ ہے۔ کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اپنی تمام ہمت اور تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لئے مصروف کرتا ہے۔ تب اس مرد فانی کی دعائیں فیوض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں۔ اور خدا تعالےٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ جس ہم بن جائے۔ دعا اگرچہ بعالم ظاہر انسان کے ہاتھوں ہے۔ مگر درحقیقت وہ انسان خدا میں فانی ہوتا ہے۔ اور دعا کرنے کے وقت میں حضرت احدیت و جلال میں ایسے فناہ کے قدم سے آتا ہے۔ کہ اس وقت وہ ہاتھ اس کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یہی دعا ہے جس سے خدا پہچانا جاتا ہے۔ اور اس ذوالجلال کی ہستی کا پتہ لگتا ہے۔ جو ہزاروں پردوں میں مخفی ہے دعا کرنے والوں کیلئے آسمان زمین سے قریب آجاتا ہے۔ اور دعا قبول ہو کر مشکلکشائی کیلئے نئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں۔

(۳)

مجھے خدا تعالیٰ نے جو مسیح موعود کرکے بھیجا ہے۔ اور حضرت مسیح ابن مریم کا جامہ مجھے پہنا دیا ہے۔ اسلئے میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ شر سے پرہیز کرو۔ اور نوع انسان کو بغضوں اور کینوں سے پاک کرو۔ اس عادت سے تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے کیا ہی گندہ اور ناپاک وہ مذہب ہے۔ جو نفسانی بغض کے کانٹوں سے بھرا ہے۔ سو تم جو میرے ساتھ ہو۔ ایسے مت ہو۔ تم سوچو کہ مذہب سے حاصل کیا ہے؟ کیا یہی کہ ہر وقت مردم آزاری تمہارا شیوہ ہو نہیں بلکہ مذہب اس زندگی کے حاصل کرنے کے لئے ہے۔ جو خدا میں ہے۔ اور وہ زندگی نہ کسی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ آئندہ ہوگی۔ بجز اس کے کہ خدائی صفات انسان کے اندر داخل ہو جائیں۔ خدا کے لئے سب پر رحم کرو۔ تا آسمان سے تم پر رحم ہو۔ آؤ میں تمہیں ایسی راہ سکھاتا ہوں۔ جس سے تمہارا نور تمام نوروں پر غالب ہو۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ

> تم تمام سفلی کینوں اور حسدوں کو چھوڑ دو۔ اور ہمدرد نوع انسان ہو جاؤ۔ اور خدا میں کھوئے جاؤ۔ اور اس میں اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل کرو۔ کہ یہی وہ طریق ہے۔ جس سے کرامتیں صادر ہوتی ہیں۔ اور فرشتے مدد کے لئے اترتے ہیں۔

دُعاء اور تدبیر

خدا تعالیٰ کا قانون قدرت۔ جو ہماری نظر کے سامنے ہے۔ ہمیں بتلا رہا ہے۔ کہ سلسلہ تدابیر اور معالجات کا طلب اور استدعا سے وابستہ ہے۔ یعنی جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں۔ یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں۔ یا اگر اس میں کامل نہ ہوں۔ تو مثلاً اس غور و فکر کے لئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں۔ اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفاء کا سوچتا ہے۔ تب اس کو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے۔ جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے۔ سو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے۔ وہ درحقیقت اس خوض اور غور اور فکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جس کو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ فکر اور غور کے وقت جبکہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں۔ تو ہم ایسی حالت میں بزبان حال اس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں۔ جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈھتی ہے۔ تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔ اسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے۔ اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں۔ جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا اور ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ عارفوں کی دعا ادب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کرکے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے۔ جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے۔ وہ بھی غور اور فکر کے وقت سے یہی چاہتے ہیں۔ کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب۔ جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا۔ وہ مبدء فیض کو نہیں پہچانتا۔ اور عارف کی طرح اسکی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے۔ اور اسی کے مدد پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے۔ اور یہ تاریکی میں چلتا ہے۔ اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد دل میں پڑتا ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دے کر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں ڈالتا ہے۔ وہ بھی خدا سے آتا ہے۔ اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے۔ مگر خدا تعالےٰ جانتا ہے۔ کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو۔ تو یہ عارفانہ دعا ہے۔ اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی نامعلوم مبدء سے طلب کی جائے۔ اور منور حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو۔ تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔

اب اس تحقیق سے تو یہی ثابت ہوا۔ کہ تدبیر کے پیدا ہونے سے پہلا مرتبہ دعا کا ہے۔ جس کو قانون قدرت نے ہر ایک بشر کیلئے ایک امر لابدی اور ضروری ٹھہرا رکھا ہے۔ اور ہر ایک طالب مقصود کو طبعاً اس پل پر سے گذرنا پڑتا ہے۔ پھر جائے شرم ہے۔ کہ کوئی ایسا خیال کرے۔ کہ دعا اور تدبیر میں کوئی تناقض ہے۔ دعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے۔ یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ عالم الغیب جس کو رقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں۔ کوئی احسن تدبیر دل میں ڈالے۔ یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے۔ پھر دعا اور تدابیر میں تناقض کیونکر ہوا۔ علاوہ اس کے جیسا کہ تدبیر اور دعا کا باہمی رشتہ قانون قدرت کی شہادت سے ثابت ہوا ہے۔ ایسا ہی صحیفہ فطرت کی گواہی سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدبیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں۔ ایسا ہی طبعی جوش سے دعا اور صدقہ اور خیرات کی طرف محرک جاتی ہیں۔ اگر دنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا۔ پس یہ ایک روحانی دلیل اس بات پر ہے۔ کہ انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے۔ کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں۔ بلکہ دعا کے ذریعہ سے تدابیر کو تلاش کریں۔ غرض دعا اور تدبیر انسان کے دو طبعی تقاضے ہیں۔ کہ جو قدیم سے اور جیسے کہ انسان پیدا ہوا ہے۔ دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آئے ہیں۔ اور تدبیر دعا کیلئے بطور محرک اور جاذب کے ہے۔ اور انسان کی سعادت اسی میں ہے۔ کہ وہ تدبیر کرنے سے پہلے دعا کے ساتھ مبدء فیض سے مدد طلب کرے۔ تا اس چشمہ لازوال سے روشنی پاکر عمدہ تدبیریں میسر آسکیں۔

مشاہدات وتاثرات

(از عرفانی کبیر)

(۱)

اگلے دن میں بس پر سوار جا رہا تھا۔ میرے ہاتھ میں ایک روزانہ اخبار تھا۔ ایک اور بانکے نواب میرے مقابل کی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے للچائی ہوئی آنکھوں سے اخبار کو دیکھا۔ اور اسکی موٹی موٹی سرخیوں کو دیکھ کر بیقرار ہو گئے۔ جیسے ایک بھوکے آدمی کے مُنہ سے دوسرے کو کھاتے دیکھ کر رال ٹپکنے لگتی ہے۔ آخران سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور کسی قدر تحکمانہ لہجے میں کہنے لگے۔ کہ ایک ورق مجھے بھی دیدیجیے۔ میں نے نہایت متانت سے کہا۔ کہ میں گداگری کا مخالف ہوں۔ وہ اسے سمجھے نہیں۔ اور دوبارہ ارشاد فرمایا۔ حضرت! خبروں کا صفحہ ذرا مجھے تو دیجیے۔ میں نے پھر کہا۔ کہ میں قانون انسداد گداگری کا حامی ہوں۔ اس پر فرمایا۔ میں تو ابھی پڑھ کر واپس دے دوں گا۔ میں نے بالآخر کہا۔ کہ میں اخبار نہیں دیتا۔ آپ کو خرید کر پڑھنا چاہیئے۔ دوسرے قریب کے لوگوں نے دلچسپی سے اس مکالمہ کو سنا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور نے کہا۔ کہ آپ پڑھ چکے ہوں۔ تو مقامی خبروں کا صفحہ عنایت فرمایئے۔

(۲)

میں نے اس حالت کو پہلی مرتبہ نہیں دیکھا۔ سوائے یورپ کے جہاں مانگ کر اخبار پڑھنا شرف انسانیت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ہر جگہ یہ عادت موجود ہے۔ جو ملک میں پریس کی حالت کو درست ہونے نہیں دیتی۔ اگر بھیک مانگ کر روٹی کھانا معیوب ہے۔ تو اخبار مانگنا کیوں جائز ہے؟ یورپ کے لوگوں کو میں نے ہر جگہ دیکھا ہے۔ کہ وہ مانگ کر اخبار پڑھنا معیوب سمجھتے ہیں۔ اور یہ امران کی آداب تہذیب میں داخل ہو چکا ہے۔ بلکہ اکثر لوگ اپنا اخبار پڑھ کر ٹرین میں چھوڑ جاتے ہیں۔ تو ان اخبارات کو بھی کوئی نہیں اٹھاتا۔ سب سے عجیب بات جو میں نے قیام لنڈن کے زمانہ میں دیکھی۔ وہ یہ تھی۔ کہ صبح بیدار ہونے سے پیشتر دودھ والا اور اخبار والا دروازے سے باہر دودھ اور اخبار رکھ جاتا تھا۔ میں نے پونے دو سال کے قریب عرصہ میں ایک دن بھی نہ دیکھا۔ کہ کسی نے میرا اخبار اٹھا لیا ہو۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہاں عام رائے پیدا کی جاتی ہے۔ اور اخبار ایک طاقت ہے۔ میری رائے میں تو جہاں انسداد گداگری کے لئے قانون بنایا جاتا ہے۔ وہاں مانگ کر اخبار پڑھنے کو بھی حرام قرار دینا چاہیئے۔

(۳)

پھر میں نے ایک اور طبقہ کو بھی دیکھا ہے۔ یہ بڑے آدمیوں کا طبقہ ہے۔ یا لیڈروں کی جماعت ہے۔ اسلئے کہ وہ اپنے آپ کو لیڈر ہی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ کہ ان کو اخبار مفت دیا جاوے۔ یہ لوگ اسی کو احسان سمجھتے ہیں۔ کہ وہ کسی اخبار کو لیتے ہیں۔ یا اس میں ان کا کوئی بیان یا ان کے جلوس کے طول وعرض کی کیفیت شائع ہو جاوے۔ اس قسم کی ذہنیت نے ملک اور قوم کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اور اس مفت خوری کی عادت نے اخلاقی زوال کے علاوہ ذہنی ترقی کو بھی روک دیا ہے۔ اختلاف رائے کی نوعیت بدل گئی۔ اور خوشامد پسندی نے لوگوں کی حق گوئی کی قوت کو کمزور کر دیا۔ ضرورت ہے۔ کہ اہل ملک اس ذہنیت میں تبدیلی کریں۔ اور وہ لوگ جن کو خدا تعالےٰ نے بڑا بنایا ہے۔ وہ اپنی عظمت کو مفت خوری کا ذریعہ نہ بنائیں۔ بلکہ پریس کی مدد کر کے اسکی ترقی کے اسباب پیدا کریں۔

(۴)

میری خودداری اور احترام ذاتی کے نظارے بعض ان دوستوں نے دیکھے ہیں۔ جنہیں میرے ساتھ کسی حکام یا دوسرے بڑے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ میں اپنی سادگی میں بھی انسانیت کے شرف کو گرنے نہیں دیتا۔ اگلے روز میں یہاں ایک وزیر مال کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ایک مقام پر کھڑا تھا۔ ایک بڑے عہدہ دار نے کہا۔ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا۔ آدمی ہوں۔ میرے جواب پر اسے کچھ حیرت اور زیادہ غصہ آیا۔ کچھ اور تو کہہ نہ سکا۔ کہ اسے یقین تھا۔ کہ جواب تلخ ہوگا۔ کہا آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ ادھر جایئے۔ میں نے کہا۔ میں تو نہیں جا سکتا۔ آپ کو کچھ کہنا ہے۔ تو خاتون موصوفہ سے کہیئے۔ میں ان کے ساتھ ہوں۔ آخر وہ خاموش ہو کر خود چلے گئے۔

انسانیت کے اس زوال کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ کہ انسان اپنی کبریائی کا غلط اندازہ کرتا ہے۔ کبریائی ذات باری ہی کو سزاوار ہے۔ قرآن کریم نے اسی لئے فلسفہ مساوات پر زور دیا ہے۔ اور عزت و اکرام کا ایک ہی باعث قرار دیا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

مشاہدات اور تاثرات کی دنیا

(۱)

میں نے اپنے گردوپیش دیکھا۔ اور اپنے وجود اور اسکی ضروریات پر نظر کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ مجھے اپنی زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ خدا تعالےٰ نے میری کسی درخواست میرے کسی عمل کے بدوں پیدا کر دی ہیں۔ اور جس قدر کسی چیز کی ضرورت ہے۔ اسے اسی نسبت سے پیدا کیا ہے۔ ہوا کی ضرورت سب سے زیادہ ہے۔ وہ عام ہے اور ہر وقت اس کے سمندر میں میں تیرتا ہوں۔ ہیرے۔ جواہرات کی بہت ہی کم ضرورت ہے۔ اسی نسبت سے وہ دنیا میں موجود ہیں۔ میں نے خدا تعالیٰ کی اس صفت پر غور کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ انسان کے دل کو امید اور جوش سے لبریز کرنے والی یہ صفت ہے۔ اور اسی کو رحمٰن کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے پہلے دنیا خدا کی اس صفت سے غافل تھی۔ انسان اپنی حقیقی ضروریات کا احساس کر کے اگر عملی قدم اٹھائے۔ تو سامان کا ذخیرہ اس صفت کے ماتحت اسے موجود ملیگا۔

(۲)

میں نے بجلی کی ایک بیٹری کو دیکھا۔ کہ اس کے ذریعے سے ایک قوت پیدا کی جاتی ہے۔ جس کو بجلی کہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے ہم عجیب و غریب معجزات کو دکھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک بیجان چیز میں اسکی رَو کو داخل کر دیا جاسکے۔ تو اس میں حرکت پیدا ہو جائے۔ خبر رسانی اور روشنی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

انسانی دماغ کو میں نے دیکھا۔ کہ وہ بھی اس بجلی کی بیٹری سے کم نہیں۔ وہ ضروری اوزاروں کی مدد سے بجلی ہی کے ذریعہ اپنا کام لیتا ہے۔ بلکہ بجلی کو عملی خادم بنانے میں انسانی دماغ کے کمال کو ہی دخل ہے۔ خود انسانی جسم جن ذرات سے بنا ہے۔ وہ بھی ایک خاص قسم کی الکٹرسٹی اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن بعض مادی اسباب کے حجاب اسے ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ لیکن بعض اوقات ہماری آنکھ ہمارے سُننے کی قوت حیرت انگیز کرشمے دکھا سکتی ہیں۔ مگر تم توجہ نہیں کرتے۔ خواب کی دنیا کے عجائبات انہیں میں سے ایک ہیں۔ میں ان خیالات کی رَو میں ڈوب گیا۔ اور میں نے اپنے جسم کو بجلی کے سمندر میں تیرتے ہوئے دیکھا۔ اور میں نے مادیات کو غیر مادی اور غیر مادی چیزوں کو مادیات کی صورت میں تبدیل ہوتے پایا۔ میں نے دودھ کو دیکھا۔ کہ علم کی شکل ہے۔ اور اجرام سماوی کو دیکھا۔ کہ وہ انسانوں کی شکل میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ اس تماشا کو دیکھا اور ہنس دیا کہ انسان بڑی قوت ہے۔ میں اپالو بندر پر باب الہند کی عالیشان عمارت کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ کہ یہ ہندوستان کی فراخ حوصلگی کا ایک نشان ہے۔ وہ باہر سے آنے والے اجنبی کے لئے کھلا ہے۔ میرے کان میں ایک آواز اس عمارت کی طرف سے آئی۔ کہ تو غلط کہتا ہے۔ یہ ہندوستان کی غلامی کا نشان ہے۔ کہ قوت و طاقت کی نمائش کا اس سے مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہاں وہ لوگ اترتے ہیں۔ جو ہندوستان پر حکومت کرتے ہیں۔ وہ اس دروازے سے واپس جاتے ہیں۔ اسکی سیڑھیوں پر ہندوستان اپنا خراج عقیدت انہیں پیش کرتا ہے۔ جبکہ وہ ساحل ہند پر قدم رکھتے ہیں۔ اور اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہیں۔ جبکہ وہ واپس جاتے ہیں۔ میں نے اس آواز کو سنا۔ اور اپنی بے کسی کو دیکھ کر سمندر کی طرف مُنہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تا کہ خیالات کی رَو کو سمندر کی لہروں میں گم کر دوں۔

میں احمدی کیونکر ہوا؟

گذشتہ سے پیوستہ

آج بتاریخ ۴ر اپریل آٹھ بجے صبح بر مکان خاکسار واقعہ ۲۶ بلاک سرگودھا بموجودگی بھائی غلام محمدؐ صاحب احمدی منشی ڈسٹرکٹ بورڈ سرگودھا۔ مکرمی بھائی صاحب ملک گل محمدؐ احمدی محرر ضلع جنرل اسسٹنٹ سرگودھا نے نیازمند کی درخواست کے جواب میں لکھوایا۔

"سال ۱۹۱۹ء کا سالانہ جلسہ قادیان جو کہ اپریل میں ہوا۔ بوجہ انفلوانزا میں و بھائی محمدؐ عالم ساکن لاہور جنہوں نے بائیسکلوں کی دکان نکالی ہوئی ہے۔ ایک ٹم ٹم پر بیٹھے ہوئے قادیان جا رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور میں تنہا تھا۔ بٹالہ سے تقریباً چھ میل فاصلہ پر سڑک کے دائیں پہلو جاتے ہوئے موضع مسانیاں واقعہ ہے۔ جس میں ایک اونچے میناروں والی مسجد بنی ہوئی میں نے دیکھی۔ میں نے ان سے پوچھا۔ کہ اس موضع کا کیا نام ہے۔ انہوں نے مجھے نام تبلایا۔ اور کہا کہ میں اس موضع کے متعلق اپنا ایک قصہ سناتا ہوں۔ میں انٹرنس میں پڑھتا۔ ایک رات خواب میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک نہایت ہی بارعب تشکل میں ایک دربار میں دیکھا۔ ان کے دائیں پہلو میں ایک شخص کھڑا ہو کر کچھ کاغذات پیش کر رہا ہے۔ حضور نے میری طرف نگاہ فرما کر اس کھڑے شخص کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا۔ ھٰذا خلیفۃ اللّٰہ۔ جب میں بیدار ہوا۔ تو میرے دل میں قادیان کی محبت ڈالی گئی۔ اور بجائے سکول جانے کے میں گاڑی پر بٹالہ چلا آیا۔ اس وقت بٹالہ کے اسٹیشن پر کوئی مسافروں کے لئے سواری کا انتظام نہ ہوتا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ میں پیدل چل پڑا۔ جب یہ گاؤں مجھے نظر آیا۔ تو میں نے سمجھا یہی قادیان ہے۔ سردی کا موسم تھا۔ تھوڑا تھوڑا ترشح ہو رہا تھا۔ میں اس موضع کی طرف چل پڑا۔ داخل ہو کر لوگوں سے پوچھا۔ کہ یہی قادیان ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ قادیان یہاں سے فاصلہ پر ہے۔ تم یہاں ٹھیرو۔ صبح چلے جانا۔ میں نوجوان تھا۔ طبیعت میں جوش تھا۔ دل میں محبت بھری ہوئی تھی۔ میں نہ ٹھیرا۔ اور قادیان کا پتہ دریافت کر کے اس طرف چل پڑا۔ رات اندھیری تھی۔ ایک موقعہ پر ایک مردہ مویشی کو کتے کھا رہے تھے۔ جب میں پاس سے گذرا۔ تو کتوں نے میری سلوار پھاڑ دی۔ ان سے پیچھا چھڑا کر رات کے کسی حصہ میں میں قادیان پہنچا صبح اٹھ کر حضرت صاحبؑ کا مکان دریافت کیا۔ مکان پر پہنچ کر کنڈا کھٹکھٹایا۔ ایک عورت نکلی۔ جس کو ملاقات کے لئے رقعہ دیا گیا۔ جس پر حضرت اقدسؑ نے جواب بھیجا۔ کہ ہم ایک ضروری مضمون لکھ رہے ہیں۔ نماز ظہر کے وقت باہر آویں گے۔ اسی وقت ملنا۔ طبیعت میں لڑکپن تھا۔ اور کوئی زیادہ ادب مدنظر نہ تھا۔ میں نے اسی رقعہ پر پھر لکھا۔ کہ میں سکول چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ اپنے آپ کو مامور کہتے ہیں۔ مامور تو رحیم کریم ہوا کرتے ہیں۔ اگر آپ ابھی نہیں ملیں گے۔ تو میں چلا جاؤں گا۔ اور رقعہ پھر اسی وقت اس عورت کو دے دیا۔ جس پر وہ تھوڑے وقت کے بعد جواب لائی کہ تم ٹھیرو ہم ابھی آتے ہیں۔ جب حضرت اقدسؑ باہر نکلے۔ تو بعینہٖ وہی شخص تھے۔ جو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رات کے دربار میں دائیں پہلو میں کھڑے ہوئے دیکھے تھے۔ زیارت کے بعد مجھ پر سخت رقت طاری ہوئی۔ اور میں نے بے ساختہ زور سے رونا شروع کر دیا۔ آپؑ میرے پاس کھڑے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار کر رہے تھے۔ کہ صبر کرو۔ روتے کیوں ہو۔ میں نے اپنی سرگذشت وہاں تک پہنچنے کی کتوں کے پھاڑنے کی سنائی۔ اور بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ تین دن ٹھیرو۔ اب میری تسلی ہو چکی تھی۔ طبیعت کا اضطراب جاتا رہا تھا۔ آپ نے تیسرے روز نماز عصر کے بعد بیعت کے لئے فرمایا۔ اور اپنے بچوں کی طرف جو اس کے ساتھ ٹم ٹم پر سوار تھے۔ اشارہ کر کے کہا۔ کہ یہ سب حضورؑ کی دعا کی بدولت ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کس طرح۔ انہوں نے پھر ذکر شروع کیا۔ کہ جب بیعت سے فارغ ہو کر میں واپس لاہور پہنچا۔ تو اس وقت حضرت صاحبؑ کی بڑی خطرناک مخالفت تھی۔ اس وقت میرے والدین یہ سنکر کہ یہ احمدی ہو گیا ہے۔ ناراض ہو گئے۔ اور بہت کچھ برا بھلا کہا۔ انہی دنوں میں میں اپنی ایک رشتہ دار نوجوان عورت پر عاشق ہو گیا۔ میں نے اسکی شادی کے واسطے والدین کو کہا۔ خود کوشش کی۔ حضرت اقدسؑ کو خط لکھے۔ مگر کامیابی کی صورت پیدا نہ ہوئی۔ میں متواتر حضرت صاحبؑ کو خط لکھتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت اقدسؑ کی طرف سے مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کا دستی خط پہنچا۔ کہ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ دعا منظور ہونے والی نہیں ہے۔ ہم جب اس معاملہ کے لئے دعا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاتھ پیچھے کھینچے جاتے ہیں۔ اس واسطے تم اس عورت کا خیال چھوڑ دو۔ جس پر پھر میں نے عرض کر بھیجا۔ کہ یہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ حضور ہی دعا فرما دیں۔ تا کہ یہ خیال جاتا رہے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد بدستخطی مولوی عبد الکریم صاحب ایک خط گیا۔ کہ حضورؑ فرماتے ہیں۔ کہ آج رات کو مجھے الہام ہوا ہے۔ کہ ہم نے اس کا دل اس عورت سے ہٹا دیا ہے۔ اس واسطے اس الہام کی اطلاع محمدؐ صالح کو دے دو۔ خدا کی قدرت اسی رات کو میرا دل اس سے متنفر ہو چکا تھا۔ اس خط کے بعد وہ خیال ہی جاتا رہا۔ بوجہ مخالفت شادی کوئی نہیں دیتا تھا۔ میں تنگ ہو کر قادیان چلا گیا۔ حضورؑ کو ملا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہاں چھ مہینے ٹھیر کر کام کرو۔ وہاں ٹھیر گیا۔ مجھے کتابوں کے پروف دیکھنے کے لئے معین کیا گیا۔ حکیم فضل دین صاحب کے مطبع میں ہوتا تھا۔ اور وہاں پروف دیکھتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کا ایک ملازم ایک شیشے کا مرتبان اٹھائے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا۔ کہ حضرت صاحبؑ کے گھر کے لئے مربہ ہلیلہ لینا ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور مرتبان میں نے پکڑ لیا۔ اتفاق سے مرتبان کا گلا میرے ہاتھ میں رہا۔ اور باقی حصہ اس سے جدا ہو کر زمین پر گرنے سے پاش پاش ہو گیا۔ اس ملازم نے کہا۔ کہ میں آپ کو اس نقصان رسانی کی شکایت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ کے دروازے پر لے گیا۔ اور حضرت ام المؤمنین کے حضور شکایت کہلا بھیجی۔ کہ محمد عالم نے مرتبان توڑ دیا۔ اندر سے جواب ملا۔ کہ ہمارا ملازمین کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں ہے۔ اگر کچھ کہنا ہے تو حضرت صاحبؑ کو کچھ کہو۔ وہ مجھے پکڑ کر حضرت صاحبؑ کے حضور باغ میں لے گیا۔ اور جا کر شکایت کی۔ حضرت صاحبؑ نے مسکرا کر فرمایا۔ کہ کیا ہوا۔ مرتبان ٹوٹ گیا۔ ہمارے گھر لوگ اس قدر برتن لاتے ہیں۔ کہ اگر ٹوٹیں نہیں۔ تو ہمارے بیٹھنے کی جگہ نہ رہے۔ اچھا ہوا۔ ٹوٹ گیا۔ میں نے حضور میں عرض کی۔ کہ میں لاہور جاؤں گا۔ تو ایسا مرتبان لاؤں گا۔ تو حضورؑ نے فرمایا۔ اسلام میں تاوان حرام ہے۔ ہم واپس چلے آئے۔

ایک روز کا ذکر ہے۔ کہ نماز عصر مسجد میں پڑھنے کے بعد آپ نے مجھے فرمایا۔ کہ تمہاری شادی کا انتظام ہو گیا ہے۔ تم جاؤ۔ دوسرے روز جب گھر پہنچا۔ تو والد صاحب نے مجھے کہا۔ کہ فلاں لڑکی والے بہت جلد تیار ہیں۔ ہم تم کو خط لکھنے لگے تھے۔ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ کہ جلد آ گئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ اور یہ بال بچے اسی سے ہیں۔"

خاکسار گل محمدؐ احمدی ساکن چکوال حال ملازم ضلع سرگودھا۔ میں نے واقعی یہ لکھایا ہے۔ اور تحریر ہونے کے بعد سن لیا ہے۔ درست ہے۔ راقم گل محمدؐ احمدی بقلم خود ۴ر اپریل ۱۹۲۳ء

فضل احمد احمدی بی۔ اے آنرس بی۔ ٹی انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا۔ بقلم خود۔ $\frac{4}{23}$ ۴

میرے روبرو یہ مضمون لکھوایا گیا۔ اور سنایا گیا۔ غلام محمدؐ احمدی سکنہ موضع ہجکہ

جب مندرجہ بالا تحریر پڑھ کر جناب ملک صاحب کو صحیح کرنے کی غرض سے سنائی گئی۔ تو آپ نے دستخط کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ اسی سفر میں بھائی محمدؐ عالم صاحب نے یہ بھی ذکر کیا۔ کہ جب کبھی میں حضرت صاحب کے سامنے ہوتا تھا۔ حضور مجھے دیکھ کر مسکراتے تھے۔ ایک روز آپ کی کمال شفقت دیکھ کر میں نے دعا کے واسطے عرض کی۔ آپؑ نے فرمایا۔ کہ تم بار بار دعا کے واسطے نہ کہا کرو۔ ہم نے تمہارے واسطے اس قدر دعائیں کی ہیں۔ کہ اگر ان کو جمع کیا جاوے۔ تو ایک پہاڑ بن جاوے۔"

فضل احمدؐ بقلم خود $\frac{4}{23}$ ۴

خاکسار گل محمدؐ احمدی مذکور الصدر بقلم خود ۴ر اپریل ۱۹۲۳ء

پیارے مسیحؑ کے پیارے حالات

خدا تعالیٰ کی مخلوق سے عام ہمدردی کا جذبہ

خدا تعالیٰ کے مامور و مرسلین کی بعثت کی غرض ہی اسکی مخلوق کی ہمدردی ہوتی ہے۔ اور وہ ہمدردی میں کچھ ایسے خمیر کئے جاتے ہیں۔ کہ انہیں دوسروں کے لئے اپنی جان دے دینی آسان معلوم ہوتی ہے۔ اس ہمدردی کا پہلا اور آخری مرحلہ یہ ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ سے دور افتادہ بندے اس سے عہد صلح باندھ کر حقیقی عبودیت کے مقام پر کھڑے ہو جائیں۔ اور ان میں ز[illegible] اور گناہ سوز ایمان پیدا ہو جاوے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی فطرت اور روح ہمدردی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین (یعنی اے نبی کیا تو اپنے آپ کو اس وہم و غم میں) ہلاک کر لیگا۔ کہ یہ لوگ مومن نہیں ہوتے۔ جس جس قدر ان کی زندگی کا مطالعہ کریں گے۔ ان کے ہر فعل اور قول میں انسانی ہمدردی کی روح موجود ہوگی۔ اور کسی وقت بھی وہ اس مقصد کو اپنے سامنے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ اور اس راہ میں ہر دکھ اور ہر قربانی کو آسان سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین لکھتے وقت اسی جوش اور جذبہ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

بدل دردے کہ دارم از برائے طالبانِ حق
نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم

اور آپ کی زندگی کے مختلف شعبوں اور شیون میں اسی جذبہ کا عملی اظہار نظر آتا ہے۔ وہ اپنے سے سلوک کرتے ہیں۔ تو اپنے نفس کے لئے نہیں۔ بلکہ ان کی بھلائی اور بہتری کے لئے۔ غیروں سے باوجود گالیاں سننے اور دکھ اور تکلیف پر تکلیف محسوس کرنے کے ان کے لئے دعائیں کرتے اور حتی الوسع اخلاقی اور مادی مدد سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ میں اسی سیرت میں دکھا آیا ہوں۔ کہ جان ستان دشمنوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک کیسا کریمانہ اور ہمدردانہ تھا۔ وہ اپنے سخت سے سخت دشمنوں کو بھی ایسے وقت جبکہ انہیں انتقام لینے کا پورا موقعہ اور مقدرت حاصل تھی۔ معاف کر دیتے تھے۔ جیسا کہ میں نے بتایا۔ کہ پادری مارٹن کلارک جس نے اقدام قتل کا جھوٹا مقدمہ آپ پر دائر کیا تھا۔ گو باوجودیکہ عدالت نے کہا۔ کہ آپ کو ان پر مقدمہ چلانے کا حق ہے۔ معاف کر دیا۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (جو اسی مقدمہ میں خطرناک گواہ بن کر آیا تھا۔ اور حضرت کا جائز حق تھا کہ اسے رسوا اور ذلیل ہونے دیا جاتا) مگر اس حالت میں بھی حضور نے پسند نہ کیا۔ کہ اس پر سوالات جرح میں ایسے سوالات کئے جاویں۔ جن سے اسکی زندگی تلخ ہو جاوے۔ اس قسم کی متعدد اور بیسیوں مثالیں ہیں۔ مختلف لکھنے والے انہیں جمع کر دیں گے۔

المختصر ان لوگوں کی ہمدردی ایک نمونہ اور اسوہ ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہمدردی عامہ کا سب سے بڑا اور عام مظاہرہ یہ تھا۔ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہر شخص کے لئے جو آپ کو لکھتا۔ دعا کرتے۔ اور ان دعاؤں کے متعلق آپ کا جو معمول تھا۔ وہ حیرت انگیز تھا۔ چنانچہ حضور نے ۲۶/۱ کو ایک مجلس میں بعض لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی ہمدردی دعا کے رنگ میں

"جو خط آتا ہے۔ میں اسے پڑھ کر اس وقت تک ہاتھ سے نہیں دیتا۔ جب تک دعا نہ کرلوں۔ کہ شاید موقع نہ ملے یا یاد نہ رہے۔"

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس طرز عمل پر غور کرو۔ کہ حضور کی خدمت میں سینکڑوں خطوط آتے تھے۔ اور آپ جیسا کہ فرماتے ہیں۔ کسی خط کو ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ جب تک کہ اس کے متعلق دعا نہ کرلیں۔ غور کرو۔ کہ کس قدر موتیں یہ وجود ہر روز اپنے اوپر وارد کرتا ہوگا۔ اپنے کسی ذاتی فائدہ کے لئے نہیں۔ کسی دنیوی متاع اور مقصد کے واسطے نہیں۔ محض دوسروں کی بھلائی اور فلاح کے لئے۔ یہ فطرت اور یہ سیرت کیا کسی ایسے شخص کو مل سکتی ہے۔ جو خدا کا مرسل نہ ہو۔

ہم جانتے ہیں۔ اور خود ہمارے اعمال اس امر کی شہادت ہیں۔ کہ بسا اوقات ہم دوسروں کے خطوط کے جواب تک بھی نہیں دیتے مگر یہ کیسا دل اور کیسی روح ہے۔ کہ دوسروں کی ہمدردی میں اس قدر سوز اور قلق اپنے اندر پیدا کرتا ہے۔ دعاؤں کے متعلق حضورؑ نے بارہا فرمایا۔ کہ

"منگے سو مر رہے"

یعنی حالتِ دعا کو پیدا کرنے کے لئے موت کو اپنے اوپر وارد کرنا ہوتا ہے۔ جو دوسروں کے لئے دعا کا اس قدر جذبہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کی ہمدردی کا نقشہ دکھانا قطعاً ناممکن ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی عامہ ہمدردی کے دوسرے مناظر اور واقعات ہم نہ بھی پیش کریں۔ تو صرف آپ کا یہ ارشاد اور آپ کا طرز عمل اس خصوص میں آپ کو لا نظیر قرار دیتا ہے۔ ہمدردی کی یہ خصوصیت نہایت ہی اعلیٰ درجہ اور صفائی کامل کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود میں پائی جاتی تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعٰلمین بنا کر بھیجا تھا۔ اور پھر وہی جوہر آپ کے بروز اور ظل حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں نظر آتا ہے۔

یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہمدردی جو عام نوعِ انسان سے ہی نہیں۔ بلکہ خلق اللہ سے تھی۔ اس کے متعلق میں ایک اور پہلو سے روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ اور ہر قلب سلیم سے اپیل کرتا ہوں۔ کہ وہ اس پر غور کرے۔ کہ

خلق اللہ کا یہ غمخوار کس مقام پر کھڑا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گوشہ نشینی کی محبت حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر تھی۔ آج سے قریباً ساٹھ سال پہلے کی حضرت کی مجھے ایک تحریر ملی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرۃ کا خلاصہ اور مغز ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے متعلق سوال کیا ہے۔ تو اس عالمہ اور فقیہہ خاتون نے کیا لطیف جواب فرمایا۔ کہ حضرتؐ کی سیرت قرآن کریم ہے۔ حقیقت میں یہ بڑا پر معرفت اور بلیغ جواب ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی تعلیم جس اعلیٰ اور اصفیٰ مقام پر واقع ہوئی ہے۔ اسکی وحی نازل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ اسی شان اور مرتبہ کا قلب نہ ہو۔ یہ ایک نقطۂ معرفت ہے۔ جس پر بہت کچھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تحریر جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کو پڑھا۔ تو اس لذت اور خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا۔ جو میرے دورانِ خون کے ساتھ تمام بدن میں پھیل گئی۔ اور میں یقین کرتا ہوں۔ کہ آپ جب پڑھیں گے۔ تو ایک تواجد کی کیفیت آپ کے اندر ضرور پیدا ہو جاویگی۔ کہنے کو یہ ایک فقرہ ہے۔ مگر اسکی تفسیر اور شرح سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات لکھوانا چاہتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا ہے۔ کہ

المساجد مکانی والصالحون اخوانی
وذکر اللہ مالی وخلق اللہ عیالی

میرا مکان مسجدیں ہیں۔ اور صالحین میرے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا مال و دولت ہے اسکی مخلوق میرا کنبہ ہے دوستو! خدا کے لئے غور کرو۔ اور دنیا کی اس عظیم الشان وسیع الحوصلہ کا پتہ دو۔ کہنے کو یہ چار فقرے ہیں۔ مگر ان کے اندر جس قدر حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہے۔ میں یا آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے:

اس قلب کی وسعت حوصلگی کا اندازہ کرو۔ جو کہتا ہے۔ "خلق اللہ عیالی" دنیا کی ساری مخلوق کو جو اپنا کنبہ سمجھتا ہے۔ اسکی ہمدردی۔ رحم۔ چشم پوشی۔ انکساری۔ مروت کی کوئی حد بھی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ ربوبیت عامہ ہے۔ وہ رب العالمین ہے۔ اسی طرح یہ وہ شخص جو حضرت مسیح موعودؑ کی شان سے دنیا میں نازل ہوا۔ خلق اللہ کو اپنا عیال قرار دیتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا۔ ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔ اسی طرح احمد قادیان اپنے قلب کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ اس چھوٹے سے سینہ میں کائنات عالم کے لئے ہمدردی کا دریا موجزن ہے۔

اس قدر وسعت قلب اور مواسات کا جذبہ کسی انسان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ خدا کے اپنے ہاتھوں سے پاک وصاف نہ کیا گیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت عامہ کی تجلی ہر وقت اس پر سایہ فگن نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایک بھی مخلوق ایسی نہ تھی جس سے مسیح موعود کو ہمدردی اور محبت نہ ہو۔ آج سے ساٹھ سال پیشتر جب انہوں نے اپنے قلب کا مطالعہ کر کے یہ فقرہ لکھا ہوگا۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ اسے اپنے مامور ہونے کا وہم بھی تھا۔ نہیں یہ وہی بات ہے۔ جو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرح صدر کے متعلق پیش آئی۔ اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا۔ الم نشرح لک صدرک۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شرح صدر کر دیا۔ اس میں کوئی بغض اور کینہ کسی سے باقی نہ رکھا گیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کی اس وحی الٰہی کے ایک جزو کی تفسیر ہے۔ جو آپ کو دنیٰ فتدلّٰی کے الفاظ میں ہوئی۔ یہ کیفیت فتدلّٰی کی ہے۔ دنیٰ صعود تھا۔ یہ نزول ہے۔ یہ اس وقت میسر آتی ہے۔ جب نفوس قدسیہ خدا تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے فیوض الٰہی کو جذب کر چکنے کے بعد مخلوق کی محبت تامہ کے باعث ان فیوض کو مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو ووجدک عائلاً فرمایا۔ اسکی حقیقت بھی یہی ہے۔

پس یہ فقرہ جو ساٹھ سال پہلے آپ نے اپنے قلب کی حالت کی بناء پر لکھا تھا۔ آج اسکی شرح کے لئے دفاتر کی ضرورت ہے۔ پھر انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ وہ دنیا کے مال و زر اور زخارف کو چاہتا ہے۔ اس فطرت کا نقشہ قرآن مجید کی اس آیت میں خوب بیان کیا ہے۔ جہاں فرمایا۔ کہ لوگوں کی فطرت میں یہ بات خوشنما دکھائی گئی ہے۔ کہ اموال اور عورتیں اور گھوڑے وغیرہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اور ان کے رنگ میں رنگین لوگوں کی حالت اس سے بالکل الگ اور جدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود ؑ فرماتے ہیں۔ "ذکر اللہ مالی" میرا مال و متاع اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ حقیقت میں جس قوم کو یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ ذکر اللہ اکبر۔ دنیا کی تمام عظمتوں اور شوکتوں کے مقابلہ میں رفعت و عظمت اگر ہے۔ تو وہ ذکر اللہ ہی کے لئے ہے۔ پھر اس فانی مال و دولت کے لئے خدا کے ہاتھ سے معطر اور ممسوح کئے ہوئے قلوب کب اس کی طرف جا سکتے ہیں۔

سورہ جمعہ کے اس مقام پر غور کرنے سے ایک لطیفہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مومنوں کو ذکر اللہ کی طرف سعی کرنے کا ارشاد ہوا۔ اور پھر ایک حالت یہ بتائی۔ کہ جب لوگ تجارت یا لہو کو دیکھتے ہیں۔ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ان کو بتایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ مال و دولت جو تجارت کا نتیجہ ہے۔ یا وہ خوشی اور عارضی مسرت جو لہو کا نتیجہ ہے۔ وہ نہ روح کی پرورش کا ذریعہ ہیں۔ نہ جسم کی۔ بلکہ وہ ذکر اللہ ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو خیر الرازقین سے تعلق پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

قرآن کریم کے دوسرے مقام پر فرمایا۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ حقیقی سکینت و اطمینان ذکر اللہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود نے جو اپنی قلبی کیفیت کو کاغذ پر عیاں کیا ہے۔ اس سے آپ کے اطمینانِ قلب اور سکینت کی حالت عیاں ہے۔ لوگ اطمینانِ قلب کے لئے تڑپتے اور دنیا میں ہزاروں پاپڑ بیلتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اطمینان اور سکینت کے جس اعلیٰ مقام پر ہیں۔ کیا کوئی اسکی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

پھر ایک طرف ہمدردی اور مروت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ خدا کی ساری مخلوق کو اپنا کنبہ قرار دیا ہے۔ انسان اپنے کنبہ کی پرورش اور نگرانی میں بُرے بھلے کی تمیز نہیں کرتا۔ اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ اپنی صفت ربوبیت میں مومن و کافر اور زندیق انسان و حیوان کا فرق نہیں کرتا۔ لیکن جیسے محبت اور تعلق خاص صفات اور خوبیوں کی پروا کی جاتی ہے۔ جیسے معیت کے متعلق فرماتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ اسی طرح صادق اور خدا پرست انسان باوجودیکہ ایک طرف

کل مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور مروت کے لئے اپنے قلب کو وسیع پاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف خدا تعالیٰ کی محبت اور تعلق کے لئے پھر اس مخلوق میں قربانی کا سلسلہ شروع کرتا ہے۔ چنانچہ ہر بہتر کے لئے ادنیٰ کو قربان کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے اخوت کے لئے صالحین کو منتخب کیا۔ ہر شخص کے چال چلن اور اخلاق اور مرغوبات کا پتہ اس کے دوستوں سے مل سکتا ہے۔ اب جو ہستی صرف صالحین سے محبت کرتی ہے۔ اور انہی اخوت کے مقام پر رکھتی ہے۔ اسکی صلاحیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید نے مومن کو اخوت کا درجہ دیا ہے۔ اور مومن کا ادنیٰ درجہ صالح ہے۔ صالح وہ ہوتا ہے۔ جس میں کسی قسم کا فساد باقی نہیں ہے۔ صالح غذا وہی کہلاتی ہے۔ جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ پس صالح وہی مومن رہتا ہے۔ جس کے اعتقادات صحیح کے مطابق اعمال ہوں۔ یہ صلاحیت بطور بیج کے ہوتی ہے۔ پھر جس قدر انسان اس میں ترقی کرتا ہے۔ وہ ایمانی مدارج میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ شہداء۔ صدیقین اور نبیین کے مقام کو علیٰ قدر مراتب پا لیتا ہے۔ غرض حضرت مسیح موعود کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہاں تک آپ کی ہمدردی ایسی عام اور وسیع ہے۔ آپ اخوت اور محبت کے تعلق صرف ان لوگوں سے رکھنا پسند کرتے تھے۔ جو صالح اور ہر قسم کے فساد سے پاک ہوں۔

میرے دوستو! کیا ہمارا یہ فرض نہیں۔ کہ ہم ہر ایک قسم کے فساد سے پاک ہو کر صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں۔ اور ہمارے تعلقات اخوت صرف اسی زمرہ سے ہوں۔ جو صالحین کا زمرہ ہے۔ جو لوگ کسی نہ کسی رنگ میں نظام احمدیت کو دھکا لگاتے ہیں۔ اور شیرازہ کو جو ہمیشہ سے ایک امام کے ذریعہ جو خدا کی کتاب کی اصطلاح میں حبل اللہ کہلاتا ہے۔ توڑتے ہیں۔ وہ خواہ کتنے ہی زور سے نحن مصلحون کہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ کی مجید و حمید کتاب انہیں مصلح نہیں۔ مفسد قرار دیتی ہے۔

آپ کی وسعتِ قلب اور ہمدردی عامہ کے لئے جو میں نے آپ کے ایک ماٹو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ وہ آپ کے اس خلق کی ایک نامکمل تصویر سے زیادہ نہیں۔ آپ کی ساری زندگی اسکی عملی تفسیر تھی۔ واقعات کی ایک فہرست اس خصوص میں پیش کی جا سکتی ہے۔ بلکہ مجھے تو یہ کہنا چاہیئے۔ کہ آپ کا ہر قول اور ہر فعل اسی ہمدردی کا ظہور تھا۔ آپ کی بعثت آپ کی تبلیغ۔ آپ کا پند و نصیحت کرنا سب اسی ہمدردی عامہ کا ظہور تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "ان کی خیر خواہی اور ہمدردی ہمارے دل میں اس قدر بھری ہوئی ہے۔ کہ نہ زبان کو طاقت ہے۔ کہ بیان کرے۔ اور نہ قلم کو قوت ہے۔ کہ تحریر میں لاوے۔"

بدل دردِ کہ دارم از برائے طالبانِ حق
نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کوتاہم
دل و جانم چناں مستغرق اندر فکر اوشاں است
کہ نے از دل خبر دارم نہ از جانِ خود آگاہم
بدیں شادم کہ غم از بہر مخلوق خدا دارم
ازیں در لذتم کز درد مے خیزد ز دل آہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم
نہ من از خود نہم در کوچۂ پند و نصیحت پا
کہ ہمدردی برو آنجا بہ جیروزِ دروا کراہم
غم خلق خدا صرف از زباں خوردن و چہ کار ایں است
گر کشش صد جاں بپا ریزم ہنوزش عذر میخواہم

چو شامِ پرغبار و تیرہ حالِ عالمے بینم
خدا بردے فرود آرد دعائے ہائے سحرگاہم

اس ہمدردی عامہ کا ذکر اور مخلوق خدا کے لئے مواسات کے جوش کا اظہار ایک ہی مرتبہ آپ نے نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ کی تمام تحریروں اور تقریروں میں ہزاروں مرتبہ اسی دلی سوزش اور تڑپ کا اظہار ہوا ہے۔ جو آپ کو نوع انسان اور عام مخلوق الٰہی کے لئے تھی۔ اس ہمدردی میں کسی کی تمیز نہ تھی۔ اپنے پرائے دوست و دشمن سب یکساں تھے۔ پنڈت لیکھرام جو اسلام کا ایک تلخ اور بدزبان دشمن تھا جب لاہور میں قتل ہوا۔ تو باوجودیکہ یہ خدا تعالیٰ کے ایک نشان کی تجلی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی جہاں تک اسکی ذات اور شخصیت کا سوال تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے ساتھ ہر طرح ہمدردی تھی۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سعی اور کوشش سے اسے فائدہ پہنچ سکتا۔ تو حضور اس کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھتے۔ اور آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا۔

عام ہمدردی میں آپ کسی قسم کی تمیز نہ کرتے تھے۔ اور ہر انسان کو اس کا مستحق سمجھتے تھے۔ طبعی طور پر دوستوں اور خدام کو رفیق بھی سمجھتے تھے۔ اور ان کے لئے ہر قسم کی ذاتی قربانی کے لئے آمادہ رہتے تھے۔ سیرت کے باب میں بیماری اور تیمارداری کے تحت میں نے صفحہ ۲۶۹ پر ایک یتیم لڑکے فجا جو آج کل معمار اور ایک مخلص احمدی ہے) کا واقعہ درج کیا ہے۔ جس دلسوزی اور محبت و ہمدردی سے حضور نے اپنے گھر میں رکھ کر اس کا علاج کیا۔ اور اسکی جان بچائی۔ اسکی نظیر نہیں ملتی۔ ادنیٰ درجہ اور معروف چھوٹے طبقہ کے لوگوں کی عیادت اور خبرگیری کے لئے ان کے گھروں میں چلے جانا یہ ایسی بات نہیں ہے۔ کہ ہم سرسری طور پر اس سے گذر جاویں۔ اسی طرح میں نے شمائل و اخلاق کے حصہ دوم کے صفحہ پر ایک واقعہ لکھا ہے۔ اور اس میں دکھایا ہے۔ کہ وہ وجود جو کبھی کسی پر بڑے سے بڑے نقصان پر بھی ناراض نہ ہوتا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ ناراض ہونا جانتا ہی نہ تھا۔ وہ اپنے ایک مخلص خادم پر محض اس وجہ سے ناراض ہوتا ہے۔ کہ اس نے ایک بیمار کی تیمارداری میں کیوں غفلت کی۔ اور وہ بیمار لوگوں کے پیمانہ امتیاز کے لحاظ سے محض ایک ناقابل لحاظ شخص ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت کی نظر میں بہ حیثیت انسان اتنی ہی قیمتی جان رکھتا تھا۔ جیسے کوئی اور محترم و معزز شخص واقعہ کی تفصیل تو وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ مگر میں اس کا نام یہاں بھی دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہی پیرا پہاڑیا حضرت کا خادم تھا۔ جس کا ذکر اسی سیرت میں متعدد مرتبہ آیا ہے۔ اور آتا رہے گا۔

دوسروں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے لئے اپنے وقت کا بہت سا حصہ اردگرد کے دیہات کی گنوار عورتوں اور بچوں کے علاج میں بھی دے دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے کام چھوڑ کر بھی اس طرف توجہ کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ نے اسے تضییع اوقات سمجھ کر عرض بھی کیا۔ جبکہ خود انہوں نے اس منظر کو دو تین گھنٹہ تک خود مشاہدہ کیا۔ اس کا جو جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا۔ اسے خود حضرت مولوی صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اسے پڑھو اور سوچو۔ کہ اس جواب دینے والے کے اندر کونسی روح بول

... [illegible] بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اللہ! کیسی نشاط اور طمانیت

[illegible]

حیاتِ نور کا ایک ورق

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے ارشادات

استویٰ علی العرش

استویٰ اور عرش "دو" لفظ ہیں۔ جن کے متعلق لغت عرب میں کوئی دقت نہیں۔ صحابہ کرام میں ان کے متعلق کوئی غیر معمولی جھگڑا نہیں ہؤا۔ مگر متاخرین میں اس پر بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔

استویٰ کے معنے علی ظہر استقر الفاظ محدود ہوتے ہیں۔ اور واقعات غیر محدود اس کے لئے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنے لئے جاتے ہیں۔ دیکھو "شے" ہے۔ چیونٹی کے ایک سرے پر بھی شے کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور زمین و آسمان پر بھی۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھی۔ اسی طرح دیکھو بیٹھنا۔ ہاتھی بھی بیٹھتا ہے انسان بھی بیٹھتا ہے ساہوکار بیٹھ گیا بھی بولتے ہیں۔ حلق بیٹھ گیا۔ دیوار بیٹھ گئی۔ مگر ہر بیٹھنے کے جدا جدا معنے ہیں۔ پس اللہ لیس کمثلہ شیٔ اس کا قرار اور بیٹھنا بھی لیس کمثلہ ہی ہے۔ غرض موصوف کے لحاظ سے معنے ہوتے رہتے ہیں امام مالک سے کسی نے استویٰ کے معنے پوچھے۔ تو فرمایا۔ المعنی معلوم والکیف مجہول۔

عرش مخلوق نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں۔ جس سے اس کا مخلوق ہونا ثابت ہو۔ بخاری و مسلم مؤطا طبقہ اول اور ترمذی نسائی ابوداؤد و طبقہ ثانی کی کتابوں میں بھی کوئی ایسی حدیث نہیں۔ جس سے اسکی مخلوقیت ثابت ہو سکے۔ میں نے ایک دفعہ حضرت امامؑ سے پوچھا کہ رب العرش سے عرش کا مخلوق ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں فرمایا۔ رب العزت بھی آیا ہے۔ تو کیا خدا اپنی صفت ازلی عزت کا بھی خالق ہے۔ پس استویٰ علی العرش کے معنے ہوئے خدا کی تجلیات کاملہ میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ عرش مظہر ہے اس مقام کا جہاں اولاً تمام احکام و صفات کاملہ کا اتم طور پر ظہور ہوتا ہے۔ دربار شاہی میں سب سے پہلے احکام صادر ہوتے ہیں۔ رفع ابویہ علی العرش کے بھی میرے نزدیک یہی معنے ہیں۔ کہ یوسفؑ اپنے والدین کو دربار شاہی میں لے گئے۔

۲- اعتداء فی الدعا تین قسم ہے۔ ایک چلّا کر دعا مانگنا۔ اسلئے فرمایا۔ ادعوا ربکم تضرعًا و خفیۃ۔ دوم ایسی طرز کی دعا جو قرآن مجید و سنت نبوی کے خلاف ہو۔ مثلاً ایک شخص جو عہد نبوی میں دعا کر رہا تھا۔ اے خدا مجھے بہشت نصیب کر اور اس میں ایسے مکان ہوں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اسے منع فرمایا۔ کہ تو جنت الفردوس مانگ لے۔ ایسا ہی اس قسم کی دعائیں کہ مجھے خدا بنا دے یا عورت بنا دے وغیرہ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی باندھی ہوئی حدود کی پروا نہ کرنا۔ اور دعا ہی کہے رہ جانا۔

(۳) فرمایا۔ کہ گناہ تو ہر وقت کا بُرا ہے۔ مگر وہ گناہ سب سے بُرا ہے کہ جب کوئی مامور اصلاح کے لئے آیا ہو۔ تو اسکی اصلاحوں کی مخالفت کی جائے۔ وہ وقت خاص طور پر توجہ الٰہی کا ہوتا ہے۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا۔

(۴) فرمایا۔ کہ جس طرح بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے۔ اسی طرح جب کبھی کسی راستبازنبی کا نزول ہونا ہوتا ہے۔ تو اس سے پہلے جس اصلاح کے لئے وہ آتا ہے۔ اسکی نسبت کچھ نہ کچھ تحریک اسی قوم میں پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ مثلاً

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

مرزا عزیز احمد صاحب کو المناک حادثہ

۲۲ر وفا ۱۳۲۱ھش کو مرزا مبارک احمد صاحب جو کہ ایک لمبے عرصہ سے بیمار چلے آتے تھے۔ وفات ہوگئے۔ اور اپنے حقیقی معبود کے پاس بلائے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ موت ایک ایسی ناگزیر راہ ہے کہ اس پر ہر امیر و غریب۔ شاہ و گدا جوان ہو کہ بوڑھا اپنے وقت پر ہر ایک کو گزرنا پڑتا ہے۔ اسلئے مجال دم زدن نہیں۔ میں اس موقعہ پر کوئی دردناک پیرایہ میں اس صدمہ کی تصویر کو نہیں کھینچنا چاہتا۔ مرزا عزیز احمد صاحب نے جس حوصلہ اور صبر سے اس صدمہ کو برداشت کیا ہے۔ وہ آپ کا ہی حق تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل دے اور اس کا بہتر نعم البدل عطا فرماوے۔

مرحوم موصی تھے۔ آپ کو چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضور نے جنازہ کو کندھا دیا۔ اور تدفین تک وہاں تشریف فرما رہے۔ ہمیں اس صدمہ میں ان کے محترم والد بزرگوار مرزا عزیز احمد صاحب اور دیگر خاندان کے تمام ممبروں سے دلی ہمدردی ہے۔ ہماری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب میں جگہ دے۔ آمین۔

ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہونا تھا۔ تو امیہ بن ابی الصلت۔ زید بن عمر جیسے بت پرستی سے متنفر ہو گئے۔ ہمارے امام علیہ السلام نے وفات مسیح پر زور دینا تھا۔ آپ سے پہلے سرسید اور آج کل کی تعلیم نے اس مسئلہ کو چھیڑ رکھا تھا۔ صرف اتنا فرق تھا۔ کہ اگر آپ نہ آتے تو لوگ۔ اسلام کی تعلیم پر عیب لگاتے۔ گو اس مسئلہ کو مان لیتے۔ آپ آئے اور بڑے زور سے فرمایا۔ کہ وفات مسیح قرآن مجید سے ثابت ہے۔ وھو الذی یرسل الریح بشرًا بین یدیہ رحمتہ ط

(۵) فرمایا۔ اس وقت روئے زمین پر کوئی اہلسنت والجماعت نہیں۔ مگر احمدی جماعت تو وہی ہوگی۔ جس کا امام ہو۔ کیا ہمارے مخالف مسلمان ایک صف میں کھڑے کئے جاویں۔ تو ان کا کوئی امام ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہاں احمدی جماعت کا خصوصیت سے امام ہے۔ پس اس وقت احمدیوں کے سوائے کوئی اہلسنت والجماعت میں سے نہیں۔

(۶) فرمایا۔ کہ قرآن مجید کے مدبرین عجیب عجیب فوائد ہیں ایک دفعہ کسی نے پوچھا۔ کہ طاعون کے دنوں میں باہر ڈیرا لگانیکا کیا حکم ہے۔ میں نے کہا۔ کہ باہر ڈیرا لگائے۔ اور یہ خروج میں داخل نہیں۔ کیونکہ سقنٰہ البلد میت سے ظاہر ہے۔ کہ اس شہر کی اردگرد کی زمینیں شہر کے حکم میں ہیں۔ ورنہ کوئی بتا دے۔ کہ بارش صرف شہر کے کوٹھوں پر ہوتی ہے۔ اور انہیں سے الثمرات نکلتے ہیں۔

(۷) فرمایا۔ اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی۔ کہ اس نے کسی چیز کو مطلق بے فائدہ نہیں ٹھہرایا۔ دیکھو والذی خبث لا یخرج الا نکدا میں بتا دیا۔ کہ خبث میں بھی کچھ نہ کچھ مادہ نبت ضرور ہے۔ ورنہ خدا کا فعل عبث ٹھہرتا ہے۔ دنیا کی کسی چیز کو کبھی لست علی الشیٔ بالکل ناکارہ نہ کہو۔ (بدر)

بقیہ مضمون صـ۸ ایران میں نور اور ظلمت دو خدا مانے جاتے تھے ہندوستان کے فرزندوں نے بچھوؤں۔ سانپوں پتھروں اور درختوں کو ہی خدا نہ بنایا تھا۔ بلکہ ان سے بھی آگے بڑھ کر عورت اور مرد کی شرمگاہوں تک کی پرستش کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اسی طرح پر کل دنیا کی حالت ہو چکی تھی۔ ساری دنیا مر چکی تھی۔ تمام اخلاق فاضلہ اور روحانی قوتوں کا خون ہو چکا تھا۔ اسی کو خدا کی حکیم کتاب نے ظہر الفساد فی البر والبحر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ عیسائی جو آج ابن مریم کو خدا کہتے ہیں۔ خیال کرو کہ تیرہ سو برس پہلے ان کی کیا حالت ہوگی۔ یہ بدترین اعتقاد ہے۔ جو دنیا میں رکھا گیا ہے۔ جس کی نسبت قرآن شریف میں کہا گیا ہے۔ کہ قریب ہے۔ آسمان پھٹ جاوے اور زمین شق ہو جائے۔ پھر ایسے طوفان بے تمیزی کے دور کرنے والے عظیم الشان نبی کا اگر اقرار نہ لیا جاتا۔ تو کسقدر اندھیر مچتا۔ اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اقرار لینا بڑا ہی حکمت تھا۔ خدا تعالیٰ جانتا تھا۔ کہ اصلی توحید اسی نبی کے ذریعہ ظاہر ہو۔ اسی لئے سب سے اقرار لیا۔ لیکن اسوقت جب وعدہ اور عہد کا رسول آیا۔ سعادتمند دل راستی کے فرزندوں نے مقالہ کو قبول کر لیا۔ اور اس کا دعویٰ سنتے ہی بابی انت و امی کہہ کر ساتھ ہولئے۔ ایک ازلی شقیوں کا گروہ بھی تھا۔ جس نے اس وقت بھی نہ پہچانا۔ اور جو ابتک بھی محروم ہیں۔ یہ آیتیں کیا سبق دیتی ہیں۔ اور ان کی تہ میں وہ کیا سر ہے جو مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے۔ میں نے شروع میں بتایا ہے۔ کہ اسی طرح ابتدائے زمان اصلاح سے لیکر آج تک مسیح موعود کی بھی پیشگوئی ہوتی چلی آئی ہے اور ہر ایک نبی اور اکابر امت اپنے اپنے وقت کے لوگوں کو اس عظیم الشان انسان کی بعثت کی خبر دیتا آیا ہے۔ اور سلام کہتا آیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ مسیح موعود کی آمد اور بعثت بھی دراصل اسی ہادی کامل صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی آمد ہے۔ مگر دوسرے رنگ میں اور مسیح موعود بھی ایک عظیم الشان فتنہ کو فرو کرنے کے لئے آنے والا تھا۔ اس لئے اسی طرح اسکی بشارت ہمیشہ ملتی آئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے بھی فرمایا۔ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم

حیات صافی کا ایک ورق

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

میثاق النبیین

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ۔ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری۔ قالوا اقررنا۔ قال فاشھدوا وانا معکم من الشاھدین۔ فمن تولّیٰ بعد ذالک فاولٰئک ھم الفاسقون ط۔

اور اس وقت کو یاد کرو۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے اقرار لیا۔ کہ میں نے جو تم کو حکمت اور کتاب دی ہے۔ یعنی اپنی معرفت اور شناخت کے ذریعہ تم کو عطا کئے ہیں۔ ایک وقت آنے والا ہے۔ کہ اس کے متعلق بڑی بڑی غلطیاں اور فتور واقع ہوں گے۔ اس وقت ان غلطیوں کی اصلاح و تجدید دین کے لئے ایک عظیم الشان رسول آئے گا۔ جو ان حقائق اور صداقتوں کی تصدیق کرے گا۔ اور تمام غلط فہمیوں اور غلط تعلیمات بیہودہ رسومات اور خیالی معتقدات کو جو اپنی خواہشوں اور جوشوں کا نتیجہ ہوں گے۔ الگ کر دیگا۔ چونکہ اس کا کام عظیم الشان ہوگا۔ اور تمام دین اور گروہ انبیاء پر بھی ایک احسان ہوگا۔ اسلئے تم سب کا فرض ہوگا۔ کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اور اسکی نصرت کرو۔ پھر اللہ تعالےٰ نے ان سے پوچھا۔ کہ کیا تم اقرار کرتے ہو۔ اور میرے اس عہد کو مانتے ہو۔ کہ اسکی نصرت کرو گے۔ اور اس پر ایمان لاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں ہم ایسا ہی کریں گے۔ اسپر ایمان لائیں گے۔ اور اسکی نصرت کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے کہا۔ کہ تم اپنے اس معاہدہ کے گواہ رہو۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ ایک گواہ ہوں۔ پس اس وقت جو شخص ایسے روشن دلائل دیکھنے کے بعد اسکی بیعت اور نصرت سے انکار کریگا۔ وہ فاسق بدعہد ہوگا۔

یہ آیتیں اللہ تعالےٰ کی کتاب میں بڑے ہی غور و فکر کے قابل ہیں۔ سب مفسر بالاتفاق مانتے ہیں۔ کہ ان آیتوں میں ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے متعلق ایک عہد کا ذکر ہے۔ اور یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک نبی سے اللہ تعالیٰ نے اور ہر نبی نے اپنی امت سے یہ اقرار لیا کہ خاتم النبیین پر ایمان لانا اور اسکی نصرت ضروری ہوگی۔ اور اقرار اور عہد کو کتب سابقہ میں اور صحائف انبیاء میں مختلف طریقوں سے ادا کیا گیا ہے۔ لیکن جہانتک ہم اس کتاب اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کو دیکھتے ہیں یہ بات بڑی صفائی کے ساتھ معلوم ہوتی ہے۔ کہ ابتدائے اصلاح کے وقت سے یعنی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک برابر دو شخصوں کی پیشگوئی چلی آتی ہے۔ اور وہ پیشگوئی دو مختلف شاخیں رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے دو شخصوں کے متعلق جداگانہ پیشگوئی قرار دی جاتی ہے۔ ورنہ دراصل ایک ہی شخص کی پیشگوئی ہے۔ لیکن چونکہ دو مختلف عنوانوں کے ماتحت یہ پیشگوئی ہے۔ اس لئے ہم بھی اسکو دو ہی شخصوں کے متعلق کہیں گے۔ ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کے متعلق اور دوسری بھی آپ ہی کی۔ مگر بروزی رنگ میں مسیح موعود کے متعلق۔

اس میں کوئی کلام اور شک اور تردد باقی نہیں رہتا۔ کہ یہ پیشگوئی متواتر متوارث طور پر چلی آئی ہے۔ اس کے متعلق خدا کی حکیم اور مجید کتاب ان آیتوں میں ذکر کرتی ہے۔ اس لئے اس آیت پر بڑا ہی تدبر کرنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کیا اہم ضرورت تھی۔ جو اللہ تعالےٰ نے سارے نبیوں سے یہ عہد لیا۔ اور پھر ہر ایک نبی نے اپنی امت کو وصیت کی۔

یہ ایک سوال ہے۔ جس کو حل کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک میں نے اس آیت پر سوچا ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے مجھے اس کے حل کرنے کی راہیں بتائی ہیں۔ وہ اگرچہ بہت ہی لذیذ اور طویل الذیل باتیں ہیں۔ مگر میں مختصر طور پر اس وقت کے مناسب حال کچھ بتاؤنگا۔

اسجگہ اللہ تعالےٰ نے تین نقطہ رکھے ہیں۔ جو بڑے ہی قابل غور ہیں۔ اور اس سوال کے حل کرنے کی کلید ہیں۔ (۱) کتاب (۲) حکمت (۳) مصدق۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام نبیوں کو کتاب اور حکمت عطا کی۔ اور ان دو ذریعوں سے ان کو بہرہ ور کیا۔ جو اللہ تعالیٰ کی شناخت معرفت اور پھر اسکی عبادت کی جان ہیں۔ یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالیٰ جو شناخت اور عبادت اپنی نسبت مخلوق سے چاہتا ہے۔ اس کے دو ہی ذریعے ہیں۔ ایک وحی جس کو دوسرے الفاظ میں کتاب اللہ کہا گیا ہے۔ دوسرے اسکو سمجھنے اور موقعہ پر برتنے کا فہم صحیح جو حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت کی بہت ہی راہیں اور ذریعے ہیں۔ لیکن سب سے کامل اور افضل ذریعہ وحی ہے۔ جس سے اسکی ہستی کا کھلا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ ایسا ثبوت کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ سکتی ہی نہیں۔ اور حکمت وہ باتیں ہوتی ہیں۔ جو اس طریق اور معرفت کو بتاتی ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے ضروری ہے۔ اور یہی دونوں ذریعے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنی ہستی کے ثبوت کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ انہیں دونوں ذریعوں کی وجہ سے اسلام دنیا میں اکیلا مذہب ہے۔ جو اپنی سچائی اور صداقت پر زبردست دلائل رکھتا ہے۔ جن کا مقابلہ کوئی قوم اور مذہب نہیں کر سکتا۔ اب تیسرا لفظ مصدق ہے۔ جو اس امر کی ضرورت بتاتا ہے۔ کہ ایک ایسا انقلاب اور وقت آئیگا۔ کہ جب کتاب اور حکمت میں نقصان واقع ہوگا۔ اور لوگ ان دونوں ذریعوں سے محروم ہو جائیں گے۔ اس وقت ایک عظیم الشان رسول دنیا میں آئے گا۔ جو حق و باطل میں فرق کر دیگا اور اسکی سچائی کا یہ نشان ہوگا۔ کہ وہ ان صداقتوں اور حقائق کی تصدیق کرے گا۔ جو تمہیں دی گئی تھیں۔ یہ نشان گویا اس کا حلیہ ہے۔ جو ہزاروں برس پہلے متواتر اللہ تعالےٰ اپنے نبیوں کی معرفت دنیا کو بتاتا آیا ہے۔ اس قدر عرصہ دراز پہلے یعنی ابتدائے اصلاح دنیا کے وقت سے لیکر ہمیشہ ہر زمانے میں جب یہ حلیہ اس کا بتایا جاتا رہا ہے۔ تو یہ حلیہ کسی حالت اور صورت میں ناقص اور ادھورا نہیں ہو سکتا ہے۔ گورنمنٹ بھی جب کسی کا حلیہ مشتہر کرتی ہے۔ تو عموماً وہ مکمل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جو حلیہ ہزاروں سال سے بتاتا چلا آیا ہے۔ اور کسی زمانہ میں اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کے صحیح اور ٹھیک ہونے میں کیا شک ہو سکتی ہے؟

اور حقیقت الامر یہ ہے۔ کہ ایسا واضح درخشاں خط و خال والا حلیہ نظر ہی نہیں آتا۔ جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ وہ حلیہ کیا ہے؟ مصدق لما معکم۔ یعنی اس نبی کی شناخت کا معیار اسکی تصدیق کا خطا نہ کرنے والا نشان یہ ہوگا۔ کہ وہ ان تمام گذشتہ صداقتوں کی جو پہلے انبیاء اور ان کے اتباع کو دی گئی تھیں۔ اور جن میں اس وقت غلطیاں خرابیاں اور بے اعتدالیاں واقع ہو چکی ہوں گی۔ تصدیق کریگا۔ یہ ایک معیار ہے۔ جو کبھی خطا نہیں کر سکتا۔ اور اس سے بڑھ کر پردہ برانداز نشان ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ کی ہستی جو شناخت اپنے رسولوں کی کرانی چاہتی ہے۔ اسکی کامل اور واضح راہ یہی ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ کون شخص ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی شناخت کا آرزومند نہ ہو۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء اور ابد الآباد کے لئے نبی تھے اور ہیں۔ اور کامل اکمل ہادی تھے اور ہیں۔ اور آپ کا نہ ماننا خدا تعالیٰ کے غضب کا وارث بننا تھا۔ اس لئے آخری زمانہ کے اہل کتاب کو مصدق لما معکم نشان بتایا۔ کوئی مفسر۔ عالم۔ ادیب۔ مصدق لما معکم کے معنے سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکتا۔ کہ وہ خاتم الانبیاء جو عہد کا رسول کہلاتا ہے۔ جس کی بابت کل نبیوں سے میثاق لیا گیا۔ ان تمام صداقتوں اور حقائق کی جو گذشتہ انبیاء کے ذریعہ ظاہر ہوئیں۔ تصدیق کرے گا۔ اور اس کے قول و فعل سے حق کی تائید اور تصدیق ہوگی۔ اور تمام غلط تعلیمات۔ بیہودہ اعتقادات اور بطلانوں کو الگ کر دیگا۔ اس امر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم کی زندگی آپ کی پاک تعلیمات میں مشاہدہ کرو۔ کہ آپ نے کیسے تمام سچائیوں اور صداقتوں کی تصدیق کی۔ اور ہر ایک بیہودگی کو دور کر دیا۔

اب غور طلب یہ امر ہے۔ کہ اللہ قادر کریم جو ذوالجلال ہے۔ ایک نبی کے متعلق سارے نبیوں ... ان کی امتوں سے عہد لیتا ہے۔ کہ تم نے اس پر ایمان لانا اور اسکی نصرت کرنا۔ اور جو نہ مانے گا۔ وہ لعنت کے نیچے آ جاویگا۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ یہ بات بڑی لذیذ اور قابل غور ہے۔ اصل یہ ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم دنیا میں نہ آئے ہوتے۔ تو سب کے سب انبیاء اور رسول ہلاک ہو جاتے۔ آدم سے لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم تک کسی نبی کا نشان نہ ہوتا۔ سب مٹ چکے تھے۔ دنیا کی دست درازیوں اور فضول مبالغہ کی وجہ سے مجھے اس امر کے کہنے میں بھی عار نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی مٹ گیا تھا۔ ایک ناپاک مذہب نے ضعیفہ عورت کے بچے کو عرش عظیم پر خدا کا ہمسر بنا کر جا بٹھایا تھا۔

(بقیہ مضمون ملاحظہ ہو صفحہ ... کالم ... پر)